حالی کا تصورِ تاریخ

سرور الہدیٰ

ABSTRACT:

This article deals with Hali's views about history and hisorigraphy. Reviewving Zaka-ullah's ***Tareekh-e-Hindustan,*** Hali has deborated his article views about history. The author of this article has sought to compile Hali's comcept of history and has asserted that Hali viewed history like a literarary style and content of book of history alike.

حالی کی ایک تحریر ذکاء اللہ کی تصنیف **تاریخ ہندوستان** سے متعلق ہے۔ یہاں اسی تحریر کی روشنی میں حالی کے تصورِ تاریخ پر گفتگو مقصود ہے۔ حالی کی اس تحریر سے انیسویں صدی کے وہ مسائل بھی ہمارے سامنے آجاتے ہیں جنھیں ہم اس عہد کا کرائسس کہتے ہیں۔ اس میں زبان، ادب، تاریخ اور تہذیب سبھی کچھ شامل ہے۔ حالی نے براہِ راست تاریخی نوعیت کی کوئی کتاب نہیں لکھی اور نہ باضابطہ کوئی ایسا مضمون نہیں لکھا جس پر تاریخ نویسی کے مسائل کا اطلاق ہوتا ہو۔ تاہم ان کی متفرق تحریروں میں تاریخ نویسی کے مسائل مل جاتے ہیں۔ ذکاء اللہ کی کتاب پر حالی کی یہ تقریظ ایک فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ حالی ذکاء اللہ کی **تاریخ ہندوستان** حالی کے خواب کی تعبیر ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ انھوں نے محمد حسین آزاد کی **دربار اکبری** اور نذیر احمد کی تاریخی کتابوں پر کوئی تقریظ یا تبصرہ نہیں کیا۔ حالی کو ذکاء اللہ کی تاریخ نویسی کے طریقۂ کار اور ترجیحات سے پورا اتفاق ہے۔ انھوں نے ذکاء اللہ کی تاریخ نویسی کی جو تعریف کی ہے اس میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ ذکاء اللہ نے ایشیائی تاریخ کو بڑی حد تک رد کرتے ہوئے یورپی تاریخ نویسی سے استفادہ کیا ہے۔ حالی کی اس تقریظ سے ہم مابعد نوآبادیاتی مطالعے کے نام پر کوئی طے شدہ نتیجہ اخذ کرنا نہیں چاہتے۔ حالی کی یہ تحریر مابعد نوآبادیاتی مطالعے کے طریقۂ کار کو راہ دیتی ہے تو اس سے چشم پوشی بھی ٹھیک نہیں۔ حالی نے تقریظ کی ابتدا میں کتاب کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے ذکاء اللہ کی کتاب کو مشرقی زبان میں لکھی گئی ''اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تسلیم کیا ہے۔ حالی **تاریخ فرشتہ** اور **سیرالمتاخرین** کی جامعیت کو قبول نہیں کرتے۔ حالی ایشیائی تاریخ نویسی کو جن بنیادوں پر رد کرتے ہیں کہ ان سے ان سوالات کا پیدا ہونا فطری سی بات ہے:

(1) کیا ایشیائی تاریخ نویسی ایک غیر مرتب واقعہ نگاری تھی۔
(2) ایشیائی مورخ فن تاریخ نویسی سے نابلد تھے۔
(3) کیا ایشیائی مورخوں کے پیش نظر وہ اصول ہی نہیں تھے جن کی روشنی میں کسی عہد کی جامع تاریخ لکھی جاتی ہے۔
(4) کیا حالی کے بھی ایشیائی تاریخ نویسی پر وہی اعتراضات ہیں جو یوروپی مورخین کے تھے۔

بنیادی سوال تو یہی ہے کہ حالی مشرق کی تاریخ نویسی سے اس قدر بیزار کیوں ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> مگر اس زمانے کا شائستہ محقق ان کے مطالعہ سے ہرگز اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ ہندوؤں کے قدیم زمانے کے واقعات حال ہی میں یوروپ کے البیلے مورخوں نے ایسے ذریعوں سے دریافت کیے ہیں جو قدر و قیمت میں ایشیا کے کشف وکرامات سے زیادہ گراں بہا ہیں۔ مثلاً آثارِ قدیمہ، پرانے کتبے، پرانے سکے حملہ آوروں کی تحقیقات، ہندوؤں کی مذہبی کتابیں، علم تطابق السنہ، مختلف قوموں کے خط وخال کی مطابقت وغیرہ جو مراتب ان گراں وزن و مسائل سے منکشف ہوئے اورجن کی بدولت ہندوؤں کی قدیم زمانے کی تاریکی بہت کچھ رفع ہوئی ہے۔ ان سے فارسی تاریخیں بالکل معرا تھیں۔ (۱)

تاریخ نویسی کے سیاق میں ان حقائق کی دریافت کشف وکرامات سے یقیناً گراں وزن ہیں، کشف وکرامات کی روشنی میں تاریخ نہیں لکھی جاسکتی مگر حالی نے ایشیا کے کشف وکرامات کا ذکر کرتے ہوئے گویا اس ذہن کا ثبوت فراہم کیا ہے جسے ہم انیسویں صدی کا نیا ذہن کہتے ہیں۔ کتبے، سکے، کتابیں آثار قدیمہ ان سب کا ایک ٹھوس وجود ہے۔ یہ وہ مظاہر ہیں جن سے تاریخ نویسی خارجی سطح پر حقائق اخذ کرتی ہے لیکن تاریخ نویسی جس میں تاریخ نویس کی بصیرت بھی اہم کردار ادا کرتی ہے وہ ٹھوس حقائق کا جگر چیر کر کچھ اور بھی دیکھتی ہے۔ تاریخ نویسی ہو یا کوئی بھی صنف اس کا ایک زمانی اور تاریخی ارتقا ہے۔ ہم اس ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے سیاق اور تناظر کونظرانداز نہیں کرسکتے۔ لہٰذا **تاریخ فرشتہ** اور **سیرالمتاخرین** میں ان ٹھوس حقائق کی دریافت اگر نظر نہیں آتی تو انھیں یکسر رد نہیں کیا جاسکتا۔ انھیں رد کرنا بھی تاریخ نویسی کے بنیادی اصول کے منافی ہے۔ ذکاء اللہ کی **تاریخ ہندوستان** کو بحال اور رائج کرنے کے لیے ایشیائی تاریخ نویسی کو شاید رد یا خارج کرنا ضروری تھا۔ گویا 'یورپ کے البیلے مورخوں' کا یہ فقرہ کس قدر محبت آمیز ہے۔ وہ ذکاء اللہ کی کتاب کے باب میں یہ بھی لکھتے ہیں:

> جس میں یورپ کے روشن ضمیر مورخوں کا پورا پورا تتبع کیا گیا۔ (۲)

اگر ذکاء اللہ کی تاریخ کے ماخذ فارسی اور عربی کتابیں ہیں اور انھوں نے ان کتابوں کی تلخیص پیش کردی ہے تو اسے ذکاء اللہ کا تاریخی کارنامہ کس حد تک کہا جائے گا۔ حالی کے اس بیان سے سرسری نہیں گزرا جاسکتا کہ ذکاء اللہ نے تاریخ ہندوستان لکھ کر ہزاروں کتابوں کو پڑھنے کی زحمت سے ہمیں بچالیا۔ کسی عہد کی تاریخ ایک ہی طور سے نہیں بیان کی جاسکتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ شعوری طور پر تاریخ نگاری کی بعض آوازوں کو دبا دیا جاتا ہے اور چند آوازوں کی بنیاد پر ایک تصویر پیش کی جاتی ہے اور یہی تصویر کسی عہد کا چہرہ قرار پاتی ہے۔ بعض لوگ ایک ہی عہد کی مختلف

تاریخوں سے گھبراتے ہیں اور انھیں خدشہ ہوتا ہے کہ وہ دبی دبائی آوازیں مرکزی حیثیت نہ اختیار کرلیں۔ حالی نے جس وقت ہزاروں کتابوں سے تلخیص پیش کرنے کی بات ذکاء اللہ کے حوالے سے لکھی تھی، تاریخ نویسی اور تاریخیت کے مسائل آج کی طرح نہیں تھے مگر تلخیص کا مسئلہ یا معاملہ اتنا سادہ نہیں کہ ہم اس سے سرسری گزر جائیں۔ تلخیص کسی عہد کی مجموعی صورت حال کا اجمالی تعارف تو ہوسکتی ہے مگر یہ تاریخ کا ایک ایسا متن ہے جو ہزاروں کتابوں کا بدل نہیں ہوسکتا۔ حالی کو ان ہزاروں کتابوں میں زیادہ باتیں نکمی اور فضول معلوم ہوتی ہیں۔ حالی لکھتے ہیں:

> جیسے اہل کاروں کا تقرر و تبدل، ان کی ترقی، ان کا تنزل، بادشاہوں کے حضور میں اہل دربار کی طرف سے پیش کش، گزرنے، اہل دربار کو بادشاہوں کی طرف سے خلعت اور انعام یا القاب و خطاب ملنا، جشنوں کی تیاریاں، سیر و شکار کے سامان، شاعروں کی مدح سرائی، بھاٹوں کی بھٹائی، شہزادوں کی ولادت، شادیوں کی دھوم دھام، نجومیوں کا نیک ساعت بتانا یا زائچہ اور پترا بتانا، جوگیوں کے ڈھکوسلے، نقیبوں کی لن ترانیاں، چھوٹے چھوٹے زمین داروں کی سرکشی سینکڑوں قصے اور افسانے خلاف قیاس وغیرہ۔ ان سب باتوں سے یہ کتاب بالکل پاک و صاف ہے اور وہ بے بہا اور گراں قدر نتائج جو عام تاریخ کی جان ہیں اور جن سے ایشیائی تاریخیں بے نصیب تھیں، ان کے لحاظ سے مشرقی تاریخوں میں یہ پہلی کتاب ہے۔ (۳)

سرکار، دربار کی ان رسموں کا تعلق عام زندگی سے نہیں اور حالی نے حقیقت پسندی کے ایک خاص تصور کے تحت انھیں رد کیا ہے۔ لیکن کسی عہد کی تہذیبی صورت حال کا مطالعہ کرتے ہوئے علم نجوم، فرضی کہانیوں سیر و شکار، شہزادوں کی ولادت، شادیوں کی رسم، بھاٹوں کی بھٹائی، زمین داروں کی سرکشی اور اس طرح کے دیگر معاملات سے چشم پوشی درست نہیں کی جاسکتی۔ تاریخ نویسی میں انتخابی رویہ اختیار کرنے کی اپنی ایک سیاست ہے۔ لیکن بعض امور کی تشریح اور تجزیہ کے لیے حقائق کو الگ الگ کرکے بھی دیکھا جاسکتا ہے اور انھیں ملا کر بھی۔ مسئلہ دراصل وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں ہم کسی خاص شخص، شئے، اور فکر سے متاثر ہوکر اس کی جذباتی سطح پر تعبیر کرنے لگتے ہیں۔ بلاشبہ حالی نے تاریخ نویسی کو سچائی کے اظہار کا ایک وسیلہ سمجھا تھا اور وہ اسے سائنٹفک اور معروضی بنانا چاہتے تھے۔ وہ زندگی کے بعض تماشوں کو رد کرتے ہیں اور ان تماشوں میں انھیں حقیقی اور عام زندگی کی شمولیت دکھائی نہیں دیتی۔ مگر تماشے تو تماشے ہیں۔ تاریخ نویسی میں ان تماشوں کے لیے اگر گنجائش نکل آئے تو حرج ہی کیا ہے۔ اصل میں حالی نے جن تہواروں اور تماشوں کو فضول اور نکمی باتوں کا نام دیا ہے انھیں تہذیبی مظاہر کے طور پر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ کے مطالعے کے دو زاویے ہیں۔ ایک یک زمانی synchronic اور دوسرا دو زمانی Diachronic۔ یک زمانی مطالعے میں عمومیت کو سامنے لایا جاتا ہے اور تاریخ کے کئی پہلو نگاہ سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔ اس مطالعے میں کچھ آوازوں کے دب جانے کا پورا امکان ہے۔ دو زمانی مطالعہ اشیا کو ان کی انفرادیت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ حالی کے تصور تاریخ کو یک زمانی کہا جاسکتا ہے اور وہ ذکاء اللہ کی تاریخ ہندوستان کو اسی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ وہ جن باتوں کو غیرضروری کہتے ہیں۔ ان کی ایک انفرادیت ہے اور انفرادیت عمومیت کے لیے ہمیشہ خطرہ نہیں بنتی۔ تاریخ کی

تلخیص کا مطلب کسی غالب رجحان اور صورتِ حال کو سامنے لانا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حالی شعوری طور پر کسی آواز یا رویے کو طاقت کے نشے میں رد کرنا یا دبانا نہیں چاہتے۔ بس یہ ہوا کہ وہ تاریخ کے ایک ایسے متن کے مداح اور وکیل بن گئے جس میں گمان، خواب، امکان وغیرہ کے لیے کوئی گنجائش نہ ہو۔ تاریخ نویس کا ذہن کیسا ہو اس بارے میں جو اظہار خیال کیا ہے اس کی تاریخی ہی نہیں بلکہ عصری معنویت بھی ہے۔ تاریخ کی نکمی اور فضول باتوں سے ذکاء اللہ کی تصنیف کو پاک بتایا ہے:

> مورخ کے ذہن کو جلا کرنے کی جگہ اور زنگ آلودہ کرتی تھیں اور عام تاریخ سے اصلاً لگاؤ نہ رکھتی تھیں۔ (۴)

تاریخ سے حالی کی مراد عام انسانی صورتِ حال ہے جس سے درباری زندگی کا کم ہی علاقہ ہے۔ حالی کی اس نظر میں عمومیت کو ابھارنے کا شعور موجود ہے۔ حالی کی نظر میں تاریخ نگاری دراصل نتائج اخذ کرنے کا نام ہے۔ اس لحاظ سے تاریخ نگاری ایک سائنٹفک عمل بن جاتی ہے:

> ہر ایک سلطنت کا اثر جو ملک پر یا ملک کا اثر جو سلطنت پر ہوا، اس کا بیان ہے۔ ہر ایک سلطنت کے زوال یا ترقی کے اسباب، ہر ایک بادشاہ کی خصلتیں اور اس کا چلن و رویہ ہر موقع پر حسبِ ضرورت رائے لگائی اور اس میں تعصب اور طرف داری کو دخل نہ دینا۔ (۵)

یہ باتیں بہت سامنے کی ہیں مگر اس وقت یقیناً یہ نئی تھیں۔ حالی اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہ ذکاء اللہ کی تاریخ نگاری کا ماخذ فارسی وعربی کی کتابوں کو بتا چکے ہیں۔ اگر ذکاء اللہ نے سلطنت کا اثر ملک پر اور ملک کا اثر سلطنت پر دکھایا ہے تو تاریخی بصیرت سے زیادہ تاریخی ماخذ کا فیضان ہے اور ماخذ سے نتائج اخذ کرنے میں ذکاء اللہ نے ایک آزادانہ رویہ اختیار کیا ہے تو اسے بھی کوئی تعصب کا نام دے سکتا ہے۔ ذکاء اللہ کی تاریخ نویسی کے امتیاز حالی کے مندرجہ بالا اقتباس میں پوشیدہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخ نویسی میں ذکاء اللہ نے سلطنت کے زوال، عروج کے اسباب و محرکات، بادشاہ کے طریقۂ کار وغیرہ کو جس طرح سمجھنے کی کوشش کی اور ان معاملات پر جو اپنی رائے دی ہے وہ دراصل ایک مورخ کا منصب ہے ورنہ صرف واقعات کو جمع کر دینے اور انھیں چند جملوں میں پیش کرنے کا نام تاریخ نہیں۔ حالی نے ذکاء اللہ کی تاریخ کو دربار اور توہم پرستی کی مختلف رسموں کے بیان سے پاک بتایا ہے۔ لیکن یہاں وہ بادشاہ کی خصلتوں کے ذکر کو ذکاء اللہ کا امتیاز بتاتے ہیں۔ حالی اگر چاہتے تو ان غیر ضروری باتوں کو بھی تاریخ کے ذیلی متن کے طور پر دیکھ سکتے تھے اور یہ شائستہ قاری کے ذہن پر گراں بھی نہیں گزرتا۔

حالی ذکاء اللہ کی ہندوستانی تاریخ کے ذیل میں دو تین ایسی باتیں لکھ گئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ نویسی کی زبان یا اس کا بیان انھیں تاریخ کو کسی اور نظر سے دیکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہی وہ مسائل ہیں جن سے آج ہم روبرو ہیں اور تاریخ کو بطور زبان بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے چند جملے دیکھیے:

> تاریخی واقعات کو مصنف مدظلہ نے جس دل چسپ پیرائے میں ادا کیا ہے اور پھر باوجود اس کے کہیں افراط و تفریط کو دخل نہیں دیا۔ یہ بات اگر محال نہیں تو تعجب انگیز ضرور ہے۔ ایک روشن

> ضمیر عالی دماغ آدمی نے اس کتاب کی نسبت یہ رائے دی ہے کہ اس میں ہر جگہ دو چار صفحو ں کے بعد دس پانچ سطریں ایسی دل چسپ اور دلکش آتی ہیں جن کو پڑھ کر باذاق آدمی سر دھننے لگتا ہے۔ (۶)

روشن ضمیر عالی دماغ سے حالی کا اشارہ کس کی طرف ہے۔ دلچسپ پیرایہ خاص زبان اور اسلوب کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اس میں واقعہ اور موجود شئے کو قصہ گوئی کا آہنگ بھی عطا کرنا ہوسکتا ہے۔ محض تاریخی واقعات کے سادہ اور عمومی بیان سے نثر دل چسپ اور دلکش نہیں ہوسکتی۔ روشن دماغ آدمی بے کیف نثر پر سر نہیں دھن سکتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حالی نے جس روشن ضمیر عالی دماغ آدمی کی اس تحقیق کو اہمیت دی ہے کہ دو چار مضامین کے بعد دس پانچ سطریں دلکش اور دل چسپ ہوجاتی ہیں۔ حالی اس تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> میں نے بھی اس کتاب کو جس قدر پڑھا اس میں بے شک یہ صفت پائی۔ بعض جگہ بے اختیار میرا جی بھر آیا اور بعض جگہ میرے دل میں جوش محبت پیدا ہوا۔ بعض جگہ اس کے خلاف اثر ظاہر ہوا۔ بعضے مقام پر میری کسی قدیم رائے میں تذبذب واقع ہوگیا اور بعضے موقع پر میری کسی رائے کو تقویت حاصل ہوئی۔ (۷)

کسی تاریخ کی کتاب میں اگر اتنی گنجائش ہو کہ وہ ان سطحوں پر قاری کو متاثر کرسکے تو گویا تاریخ کا یہ بیانیہ بطور متن اپنے اندر بڑی گنجائش رکھتا ہے اور اس گنجائش اور افتراقات کو پیدا کرنے میں تاریخ نگار کا تاریخی شعور بلکہ اسلوب بہت اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس کے اظہار میں اس زبان کا اہم کردار ہے، جس کے بارے میں حالی نے مندرجہ بالا خیالات کا اظہار کیا ہے۔ حالی ایک قاری کی حیثیت سے تاریخ کے متن کو پڑھنے کے بعد جن کیفیات سے گزرتے ہیں جیسے کوئی ادبی متن کو پڑھا ہو۔ اسی لیے تاریخی متن کو ادبی متن یا ایک بیانیہ کے طور پر پڑھنا گویا تاریخی واقعات سے ماورا کسی اور شئے سے روبرو ہونا ہے جو تاریخ سے بے تعلق تو نہیں مگر تاریخ سے کچھ مختلف ضرور ہے۔ آخر وہ کون سی شئے ہے جس نے ذکاء اللہ کی نثر میں یہ خوبیاں پیدا کیں۔ اس میں جذبے کی شدت بھی ہے، قوتِ استدلال بھی، اور معلومات فراہم کرنے کے ساتھ معلومات سے حاصل شدہ بصیرت بھی۔ ان مختلف کیفیات کی یکجائی میں زبان کا بنیادی کردار ہے۔ جو بیک وقت کئی کیفیات سے ہمیں ہم کنار کرتی ہے۔ بظاہر تو یہی لگتا ہے کہ ذکاء اللہ کے اندازِ تحریر سے حالی عقیدت مندی کے سبب متاثر نہیں ہوئے مثلاً ''بعض جگہ اس کے خلاف اثر ظاہر ہو۔'' کا مطلب تو یہی ہے کہ ذکاء اللہ کی تصنیف کی اشاعت پر حالی اہل وطن کو مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کے آدمی نے ان کی زبان میں ان کی تاریخ لکھی ہے۔ وہ یورپ کے مورخوں کی زیادتیاں یاد دلاتے ہیں جو انھوں نے بادشاہوں اور حکمرانوں کے سلسلے میں درج کی ہیں۔ ایک طرف حالی ذکاء اللہ کی تعریف میں یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے یورپ کے روشن ضمیر مورخوں کا پورا پورا تتبع کیا ہے۔ اصل میں حالی کا رویہ دو مختلف قسم کے جذبات کا بھی حامل ہوسکتا ہے۔ مگر حالی کا ذہن حقائق کی دریافت اور قبولیت میں بڑا ہی ترقی پسند ہے۔ یعنی یورپی مورخ کی تعریف کا پہلو جہاں انھوں نے تلاش کیا اس کی کچھ بنیادیں ہیں اور ان کی کوتاہیاں تلاش کرنے میں بھی انھوں نے کوتاہی نہیں

کی۔ الفنسٹن کی کتاب کا ترجمہ اہل وطن نے پڑھا۔ اس ترجمہ شدہ کتاب کو وہ دیسی زبان میں تاریخ کی پہلی کتاب کہتے ہیں۔ انھوں نے انگریزی میں الفنسٹن کی کتاب کے تعلق سے چند بنیادی سوالات اٹھائے ہیں۔ اس میں نوآبادیاتی ذہن ہی نہیں بلکہ ایک جدید ذہن بھی کارفرما ہے۔ اول تو وہ دیسی زبان پر بہت زور دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اہل وطن کو ان کی زبان میں ہی زیادہ بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ الفنسٹن کا ترجمہ سائنٹیفک سوسائٹی نے اردو میں کرایا تھا۔ حالی بجا طور پر یہ سوال کرتے ہیں کہ الفنٹسن نے اپنے معاشرے کی ضرورت کے پیش نظر کتاب لکھی تھی اور ان کے پیش نظر مشرقی حوالے اور ماخذ تھے:

> تو اپنی زبان کی رعایت سے اس کو بالضرور مطلب نگاری میں ایسی روش اختیار کرنی پڑتی ہے جو غیر زبان والوں کو ہرگز مطبوع نہیں ہوسکتی۔ اور جب اس کا ترجمہ کسی تیسری زبان میں ہوتا ہے تو اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہوجاتی ہے جیسے ایک یورپین آدمی جس کا باپ یورپین اور ماں ہندوستانی اور دودھ پلانے والی امریکن ہو۔ نہ اس میں اصل زبان کی خوبی باقی رہتی ہے نہ دوسری اور تیسری زبان کا رنگ قائم رہتا ہے۔ (۸)

حالی نے زبان کے ساتھ مطلب نگاری اور روش کے الفاظ استعمال کرکے تاریخ کے متن کو تاریخی حقائق کی پیش کش سے بلند کردیا ہے۔ روش کی تعبیر میں صرف یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی لسانی معاشرے کی لسانی ضرورت کا خیال رکھا گیا ہے۔ روش جو بہت سادہ اور معصوم نظر آتی ہے اس میں کوئی نہ کوئی چالاکی بھی ہوسکتی ہے۔ حالی کے ذہن میں ممکن ہے یہ پہلو نہ ہومگر اس امکان کو مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ حالی کسی لسانی معاشرے کی تہذیبی ضرورت کو دوسرے لسانی معاشرے کے لیے خطرناک ضرور تصور کرتے ہیں۔ اول دوم اور سوم درجے کی نقل کو انھوں نے مثالوں سے ثابت کیا ہے اس سے افلاطون کا نظریہ نقل سامنے آجاتا ہے۔ حالی نے الفنسٹن کی کتاب کے ضمن میں مصنف کے غیر متعصب ہونے پر خاصا زور دیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف اگر چاہے تو خود کو تعصب سے بچا سکتا ہے جیسا کہ ذکاء اللہ نے خود کو بچایا۔ اصل میں تعصب کا تعلق تو حقائق کی تلاش اور اس کی پیش کش کے طریقے سے ہے۔ پیش کش محض اسلوب ہی نہیں بلکہ بیانیہ بھی ہے۔ حالی ایک طرف اہل یورپ کی تاریخی نظر کو متعصب بتاتے ہیں دوسری طرف ان سے سیکھنے اور ہوشیار رہنے کا مشورہ دیتے ہیں اس لیے کہ وہ بیدار قوم ہے۔ وہ یہ بھی یاد دلاتے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں نہیں آئی ہے:

> ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان کی تاریخ اب ہندوستانیوں کے ہاتھ میں نہیں آئی کہ جس کو وہ چاہیں آسمان پر چڑھائیں اور جس کو چاہیں تحت الثریٰ تک پہنچادیں۔ اب اس تاریخ کی مالک وہ قوم ہے جس کے آگے بغیر حجت و دلیل کے کسی کی تعریف یا تنقیص پیش نہیں چل سکتی۔ (۹)

حالی کے اس بیان میں ایک فاتح قوم کی فتح کا احساس اور ایک شکست خوردہ قوم کا احساسِ کمتری دونوں پوشیدہ ہیں۔ ان احساسات کو خودسپردگی، تہذیبی کشمکش، اور دیانت داری، وقت کی نبض پر ہاتھ وغیرہ یا کبھی کوئی بھی نام دیا جائے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حالی یورپی تاریخ نویسی کی معروضیت، جامعیت، منطقیت جیسی

خوبیوں سے اس حد تک متاثر ہیں کہ ذکاء اللہ کی تاریخ ہندوستان کے علاوہ تمام کتابیں نکمی اور فضول باتوں کا مجموعہ معلوم ہوتی ہیں۔

یہ وہ نثر ہے جو تاریخ کے ایک خاص موڑ پر ہی لکھی جاسکتی تھی۔ بے شک ایک منطقی نثر کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں لیکن یہ اس جذبے اور احساس سے بڑی حد تک خالی ہے۔

حواشی:

(۱) **کلیات نثر حالی** (جلد دوم)، مرتبہ: شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل نومبر 1968، ص 161

(۲) ایضاً ، ص162

(۳) ایضاً ، ص162

(۴) ایضاً ، ص162

(۵) ایضاً ، ص162

(۶) ایضاً ، ص63-162

(۷) ایضاً ، ص163

(۸) ایضاً ، ص164

(۹) ایضاً ، ص165

○○○